سورہ نساء میں وارد کنایات کے اسرا ر: ایک تحقیقی جائزہ

A Research Based Analysis of Metonymy and their Myths in SuraNisa

فاروق احمد[i] ڈاکٹر حافظ حفاظت اللہ[ii]

Abstract

Al kinayah (metonymy) is a rhetoric terminology which is developed in traditional Arabic linguistics. Linguisticallykinaayah is derived from the root "Kenna" which means to refer indirectly and/or euphemistically to something in terms of somethingelse. There are a lot of examples of metonymy in Quran which has been pointed out in many tafaseer such as "Bedawi" and "Kashaaf".

So in this regard I selected only one Surah from the Holy Quranthat is Surah Nisa, which is the most wonderful Surah of the Quran. This article willexplainsliteral, verbal meaning and proofs of kina ayah as well as myths of every metonymy.

Key Words: *Holy Quran, Metonymy,Myths,Nisa*

بلاغت عربیہ میں کنایہ وہ اہم اسلوب ہے جس کی طرف بہت ادباءنے اشارہ کیا ہے اس وجہ سے عربی ادب کبھی بھی کنایہ سے خالی نہیں رہا ہے گو کہ ان کے اسماء، القاب اور اقسام کے درمیان اختلاف رہا ہے۔

قرآن کریم کے نزول سے پہلے بھی عرب میں بلاغت کے اصول و قواعد کا لحاظ رکھا جاتا تھا اور اکثر اپنے کلام میں کنایہ کا استعمال کرتے تھے۔اس وجہ سے قرآن کریم میں بھی مختلف آیات میں ضرورت کے تحت بعض احکام اور کلام کو کنائی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

i پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ تھیالوجی، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

ii ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ تھیالوجی، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

مذکورہ آرٹیکل میں سورہ نساء میں کنایات کے اسرار و حکم کا وہ جائزہ لیا جائیگا جس میں ایک اسلامی معاشرہ میں گفت و شنید اور انداز کلام کے اصول وضع ہو جائیں گے۔

کنایہ کا لفظی مفہوم

فهي أن تتكلّم بشيءٍ وتُرِيد غيره فأصل الكناية تَرْكُ التصريح بالشيء[1]

"وہ کلام جو کسی شے پر (صریحاً) کی جائے اور اس سے اس کے غیر کا ارادہ کیا جائے پس اصل میں کنایہ کسی چیز پر ترک تصریح کا نام ہے۔"

الكناية مقولة على ما يتكلم به الإنسان، ويريد به غيره، هي، وهي مصدر كنيت عن كذا بكذا، إذا تركت التصريح به, وبابه رمى يرمي، وورد كنوت بكذا عن كذا، من باب دعا يدعو،والأول أفصح، بدليل قولهم في المصدر: "كناية" ولم يسمع كناوة[2]

"کنایہ ایک ایسا قول ہے جس پر انسان کلام کرے اور ارادہ اسی کلام سے دوسرے مفہوم کا کرے اور یہ باب رمى يرمی سے كنيت عن كذا بكذا سے مصدر واقع ہے جب کسی چیز پر تصریح ترک کر دے اور باب دعا يدعو سے كنوت بكذا عن كذا آتا ہے، اور اول الذکر كنيت عن كذا بكذا فصیح ہے کیونکہ اس سے مصدر کنایۃ آتا ہے جبکہ كنوت بكذا عن كذا سے كناوة آتا ہے جو نہیں بولا جاتا ہے۔"

لسان العرب میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

الكُنْيَةُ عَلَى ثَلَاثَةُ أَوْجهٍ: أَحدها أَن يُكْنَى عَنِ الشَّيْءِ الَّذِي يُستفحش ذِكْرُهُ، وَالثَّانِي أَن يُكْنى الرَّجُلُ بَاسِمٍ تَوْقِيرًا وَتَعْظِيمًا، وَالثَّالِثُ أَن تَقُومَ الكُنْيَة مَقام الِاسْمِ فَيُعْرَفُ صَاحِبُهَا بِهَا كَمَا يُعْرَفُ بِاسْمِهِ كأَبي لَهَبٍ اسْمُهُ عَبْدُ العُزَّى، عُرِفَ بكُنيته فَسَمَّاهُ اللَّهُ بِهَا.

والكِنَايَة: أَن تَتَكَلَّمَ بِشَيْءٍ وَتُرِيدَ غَيْرَهُ. وكَنَى عَنِ الأَمر بِغَيْرِهِ [3]

"کُنْیَۃ کا لفظ تین وجوہ سے ذکر کیا جاتا ہے جس چیز کا ذکر فحش جانا جاتا ہو اس سے کنایہ کیا جاتا ہے کسی شخص کے اصلی نام کے بجائے تعظیماً اسے کنیت سے پکارا جائے اور کبھی کبھار اصلی اسم کی جگہ کنیت لے لیں پھر اصلی نام کی بجائے کنیت سے پہچانا جاتا ہو جیسا کہ ابو لہب کا اصلی نام عبد العزیٰ تھا اور کنیت سے پہچانے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اسی نام سے پکارا۔"

کنایہ کا اصطلاحی مفہوم

علماء علم البیان نے کنایہ کے مختلف تعریفات کئے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے

لفظ أطلق وأريد به لازم معناه، مع جواز إرادة معناه الأصلي

"کنایہ وہ لفظ ہے جس میں اس کے اصلی معنی کے ساتھ ساتھ اس کے لازمی معنی مراد ہو۔"

أنها كل لفظة دلت على معنى يجوز حمله على جانبي الحقيقة والمجاز بوصف جامع بين الحقيقة والمجاز [4]

"بے شک ہر وہ لفظ جو ایک ایسی معنی پر دلالت کرے جس کا میلان حقیقت اور مجاز دونوں جانب ہو اور ان دونوں کے درمیان ایک مشترک وصف بھی موجود ہو کنایہ کہلاتا ہے۔"

هی اللفظ الدال على معنيين مختلفين، حقيقة ومجاز من غير واسطة، لا على جهة التصريح

"کنایہ وہ لفظ ہوتا ہے جو ان دو مختلف معانی پر دلالت کرے جو مجاز اور حقیقت ہو اور اس میں کسی قسم کا کوئی واسطہ نہ ہو اور نہ اس پر تصریح کی گئی ہو۔"

وهي أن يعبر المتكلم عن المعنى القبيح باللفظ الحسن، وعن الفاحش بالطاهر[5]

"کنایہ وہ لفظ ہے جس میں متکلم قبیح معنی کا حسین لفظ سے اور فحش معنی کا طاہر لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔"

- يا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ واحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْها زَوْجَها وَبَثَّ مِنْهُما رِجالاً كَثِيراً وَنِساءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسائَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحامَ إِنَّ اللَّهَ كانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً[6]

"لوگوں اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا یعنی اول اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کرتے ہوئے زمین پر پھیلا دیئے ،اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خبر دی ہے کہ میں نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے ،اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ایک نفس صرف آدمؑ ہے اگر اس آیت پر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ میں نے آپ کو آدم سے پیدا کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسم ظاہر سے

عدول کیا کیونکہ اس کلمے میں وہ جلالت و عظمت نہیں ہے جو نفس واحدۃ میں موجود ہے۔اس لئے مفسرینؒ کے نزدیک یہ کلمات آدمؑ سے کنایہ ہے اور اللہ تعالی کی جلالت اور عظمت پر دلالت کرتی ہے۔کیونکہ آدمؑ کا صریحی اسم وہ عظمت و جلال کا اظہار نہیں کرتا ہے جو نفس واحدۃ میں پائی جاتی ہے اور نَفْسٍ واحِدَةٍ صیغہ واحد مؤنث نفس کے لئے آیا ہے جو مؤنث سماعی ہے۔

دلائل ثبوت الکنایہ

معترک الأقران في إعجاز القرآن اس کی تفسیریوں کرتے ہیں:

احدها: التنبيه على عظم القدرة، نحو: (هو الذي خلقكم مِنْ نفْس واحدة) ، كناية عن آدم[7]

"(کنایہ کی اقسام) میں ایک قسم یہ ہے کہ قدرت کے عظیم ہونے پر تنبیہ کرے جیسا کہ مذکورہ آیت مبارکہ میں ہے،اور یہ آدمؑ سے کنایہ ہے۔"

البلاغۃ العربیہ اس کی تفسیریوں کرتے ہیں:

كون التعبير المكَنَّى به ينبّه على معنىً لا يؤدّيه اللّفظ الصّريح المكنّى عنه.فلو خاطب الله الناس فقال: هو الذي خلقكم من آدم، لم يكن في هذا التعبير التنبيه على عظم قدرته، وبالغ حكمته الجليلة في قضائه وقدره، وواسع علمه، مثلُ قوله عزَّ وجلَّ في سورة ﴿يأيها الناس اتقوا رَبَّكُمُ الذي خَلَقَكُمْ مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ﴾إنَّ عبارة: ﴿مِنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ جاءت كنايةعن آدم، لكِن نَبَّهَتْ على أَمْرٍ جليل لا تُنَبِّهُ عليه عبارة: "مِنْ آدم".[8]

"کنایہ سے کسی لفظ کے معنی کا وہ تعبیر کیا جاتا ہے جس کا احاطہ صریح لفظ نہیں کر سکتا پس اگر لوگوں کو ان الفاظ سے مخاطب کیا جاتا کہ ہم نے آپ کو ایک آدمؑ سے پیدا کیا ہے تو اس کلام میں اللہ تعالی کا اپنے قضاء و قدر میں وہ جلالت و قدرت اور وسعت علمی کا اظہار نہ ہوتا جیسا کہ مذکورہ آیت مبارکہ میں ہے۔بے شک یہ عبارت آدمؑ سے کنایہ ہے اور ایک بڑے خبر پر خبر دار کیا ہے جو لفظ آدم سے نہیں ہو سکتا تھا۔"

البرھان فی علوم القرآن اس کی تفسیریوں کرتے ہیں:

وَلَهَا أَسْبَابٌ: أَحَدُهَا: التَّنْبِيهُ عَلَى عِظَمِ الْقُدْرَةِ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ واحدة﴾ كِنَايَةً عَنْ آدَمَ[9]

"(کنایہ کرنے میں) مختلف اسباب ہیں جس میں ایک قدرت کی عظمت پر تنبیہ ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں آدمؑ سے کنایہ کیا گیا ہے۔"

اسرار

أ. اگر غور کیا جائے تو یہاں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ اس نے تمہیں ایک آدم سے پیدا کیا اور اسی (آدم) سے اس کا جوڑا بنایا، بلکہ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ(ایک جان) کا لفظ ہے۔ گویا اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ عین آدمؑ ہی سے ان کا جوڑا بنایا گیا ہو، جیسا کہ بعض روایات سے بھی اشارہ ملتا ہے، اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آدم کی نوع سے ان کا جوڑا بنایا گیا، جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ اس لیے کہ نوع ایک ہے، جنسیں دو ہیں۔ انسان(Human beings) نوع (Spieces) ایک ہے، لیکن اس کے اندر ہی سے جو جنسی تفریق (sexual differentiation) ہوئی ہے، اس کے حوالے سے اس کا جوڑا بنایا ہے۔

ب. ایک ہی جان سے بے شمار مخلوق کی تخلیق، قدرت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے اور اتنی بے شمار مخلوق جو اپنے اندر گوناگوں اختلافات رکھتی ہے، اس سب کو ایک ہی جان سے اس طرح پیدا کر دینا، اس کی وحدانیت و قدرت مطلقہ اور حکمت بالغہ کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ پس وہی وحدہ لاشریک ہر قسم کی عبادت کا حقدار ہے۔

ت. صریح لفظ کی بجائے کنائی لفظ لا کر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت کی گئی کیونکہ تمام لوگوں کو ایک شخص سے پیدا کرنا بلکہ اسکی بیوی کو بھی اسی سے تخلیق فرمانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتا ہے، اور اس کی طرف نعمت عظمیٰ بھی ہے اس لئے قدرت اور احسان کا تقاضہ ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے۔

ث. وہ قادر مطلق جب ایک جان سے اتنی گوناگوں مخلوق کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے، تو یقیناوہ ان سب کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دینے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے، اور اس کی حکمت کا

تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ سب کو دوبارہ پیدا فرما کر ان کو زندگی بھر کے انکے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دے، تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔

ج. اس سورت میں نکاح، احکام میراث، اور قرابت کا ذکر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ابتداء سورت میں مخاطبین کو یاد دلایا کہ تم ایک ذات سے پیدا ہوئے ہو تاکہ دلوں میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہم سب لوگ ایک ہی شخص کی اولاد ہیں تو بے اختیار برادرانہ محبت دلوں میں جوش کریگی اور ہر شخص یہ سمجھے گا کہ جب ہم سب ایک ہی شخص کی نسل ہیں تو ہم میں ہر ایک کا ایک دوسرے پر حق ہے۔

ح. نفس واحدۃ سے واضح ہو گیا کہ پوری نسل انسانی ایک ہی قبیلہ اور ایک ہی گھرانا ہے، کہ یہ سب آدم ہی کی اولاد اور انہی کی نسل ہے، سو اس اعتبار سے ان میں عربی و عجمی احمر و اسود اور شرقی و غربی وغیرہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، بلکہ سب ہی نسل آدم کے افراد ہیں، اور خدا اور رحم کا رشتہ ان سب کے درمیان قدر مشترک ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سب لوگ آدم سے ہو اور آدم کی اصل مٹی ہے كُلُّكُمْ مِنْ اٰدَمَ و آدَمُ مِنْ تُراب سو اس حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ سب ایک ہی خدا کے بندے اور ایک ہی خاندان کے افراد ہونے کے اعتبار سے مشترک گھرانے کے افراد کی طرح آپس میں حق وانصاف اور مہر و محبت کے تعلقات رکھنے والے بن کر امن وسکون کی پر لطف زندگی گزاریں۔ پس نہ کوئی کسی پر کوئی زیادتی کرے اور نہ کوئی کسی کا حق مارے۔

خ. انسان کی ابتدائے پیدائش کا بیان کر کے قدرت الٰہیہ کی عظمت کا بیان فرمایا گیا اگرچہ دنیا کے بے دین بد عقلی و نافہمی سے اس کا مضحکہ اُڑاتے ہیں لیکن اصحاب فہم و خرد جانتے ہیں کہ یہ مضمون ایسی زبردست برہان سے ثابت ہے جس کا انکار محال ہے مردم شماری کا حساب پتہ دیتا

ہے کہ آج سے سو برس قبل دنیا میں انسانوں کی تعداد آج سے بہت کم تھی اور اس سے سو برس پہلے اور بھی کم تو اس طرح جانب ماضی میں چلتے چلتے اس کمی کی حد ایک ذات قرار پائے گی یا یوں کہئے کہ قبائل کی کثیر تعداد یں ایک شخص کی طرف منتہی ہو جاتی ہیں مثلاً سید دنیا میں کروڑوں پائے جائیں گے مگر جانب ماضی میں ان کی نہایت سید عالم ﷺ کی ایک ذات پر ہو گی اور بنی اسرائیل کتنے بھی کثیر ہوں مگر اس تمام کثرت کا مرجع حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک ذات ہو گی اسی طرح اور اوپر کو چلنا شروع کریں تو انسان کے تمام شُعوب و قبائل کی انتہا ایک ذات پر ہو گی اس کا نام کتب الٰہیہ میں آدم علیہ السلام ہے۔

❖ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا[10]

"اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد بھی لے چکی ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو حکم دیا ہے، کہ طلاق دینے کے بعد اپنی عورتوں سے مہر کا مطالبہ نہ کریں اور اس کے لئے یہ علت بیان کی ہے کہ آپ نے ان سے افضیٰ کیا ہے ،افضیٰ کا لغوی معنی ہے کسی چیز سے وصل ہونا یاوَالْإِفْضَاءُ مُشْتَقٌّ مِنَ الْفَضَاءِ، وَهُوَ الْمَكَانُ الْخَالِي [11] اور یہ بات معلوم ہے کہ عورت اور شوہر ایک دوسرے سے بہت واصل ہوتے ہیں اسی قربت اور وصل کو اگر صریح معنی سے ذکر کیا جائے تو اس کا مہر کے واجب ہونے سے کوئی نسبت معلوم نہیں ہوتا اس لئے اس کا کنائی معنی جماع سے کیا گیا ہے کیونکہ جماع میں یہ وصل بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔

وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ قد ماضی قریب کے لئے افضی الی کسی جگہ پہنچنا افضی بیدہ الی کذا کے معنی ہیں کسی جگہ ہاتھ پہنچ جانا افضی إلی-أیوصل-وافضی الی المراۃ-خلا بھا اس کے ساتھ خلوت کی یعنی جماع کیا۔ افضی: وہ پہنچ گیا، وہ بے حجابانہ مل گیا۔ فضا اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی عمارت اس جگہ کی کسی چیز کے ادراک سے مانع ہو۔ خلوت بھی اسی وجہ سے افضاء

سے موسوم ہوئی کہ اس میں ہر وہ چیز جو مجامعت سے مانع تھی دور ہو گئی۔

دلائل ثبوت الکنایۃ

اللغات فی القرآن اس کی کنائی معنی سے یوں بحث کرتے ہیں:

الإفضاءِ: الجِماع بلغة خُزاعة.[12]

"افضاء کا معنی لغت خزاعۃ میں جماع سے کیا جاتا ہے۔"

خزانۃ الادب وغایۃ الادب اس کی شرح یوں کرتے ہیں:

يُقَال أفْضى يُفْضِي إِذا وصل إِلَى الشئ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ يريد بذلك ما يكون بين الزوجين. وعلى الجملة لا تجد معنى من هذه المعاني في الكتاب العزيز إلا بلفظ الكناية؛ لأن المعنى الفاحش متى عبر المتكلم عنه بلفظه الموضوع له كان الكلام معيبًا، من جهة فحش المعنى،[13]

" أفْضى يُفْضِي اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز سے واصل ہو جائے۔ مذکورہ آیت کریمہ میں اس سے وہ معنی مراد لیا جاتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان تعلقات سے متعلق ہو اور اللہ تعالیٰ کے کتاب میں ان جیسے کلمات سے کنایہ کیا جاتا ہے کیونکہ فاحش کلام معنی کے اعتبار سے متکلم کے لئے باعث عیب ہوتا ہے۔"

علوم البلاغۃ اس کی شرح یوں کرتے ہیں:

من حسن التلطف في إطراح الألفاظ المستهجنة كما جاء في القرآن الكريم من الكنايات التي تتعلق بالنساء كالنهي عن أخذ المهور مع ذكر السبب في قوله تعالى: وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ[14]

"گندہ اور نامناسب الفاظ سے دور ہونا قرآن کی حسن تلطف ہے اسی وجہ سے عورتوں کے متعلق مسائل سے کنایات کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مہر نہ لینے کو سبب کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جیسا کہ آیت کریمہ "وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ" میں ذکر ہوا ہے۔"

روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ كناية عن الجماع على ما روي عن ابن عباس ومجاهد والسدي[15]

"ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور سدیؒ سے روایت ہے کہ مذکورہ آیت سے جماع مراد ہے۔"

الکشف والبیان عن تفسیر القرآن اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

وَقَدْ أَفْضى بَعْضُكُمْ إِلى بَعْضٍ، قال المفسرون: أراد المجامعة، ولكن الله كريم يكني بما شاء عمّا شاء، [16]

"مفسرین کہتے ہیں اس آیت کریمہ سے مجامعت مراد ہے لیکن اللہ کریم ہے جو چاہے اور جیسے چاہے کنایہ فرماتا ہے۔"

اسرار

أ. افضاء کا معنی ہے صحرا میں داخل ہو جانا اور یہاں افضاء میں داخل ہونے سے مراد ہے کسی خالی گھر میں داخل ہونا اور جماع چونکہ خالی مکان میں کی جاتی ہے اسلئے ان الفاظ سے کنایہ زیادہ مناسب تھا۔

ب. اپنے بندوں کو لطیف انداز سے ایک مسئلے کا حکم بیان فرمایا کہ مہر کی واپسی کا مطالبہ اس علت (جماع) کی وجہ سے ناجائز ہے۔

ت. صریح انداز میں مہر کے متعلق اس مسئلے کو بیان کرنا مناسب نہ تھا کیونکہ عورتوں کے لئے مہر ایک ہدیہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جماع کا صراحتاً ذکر اس کی خوشی کی بجائے شرم کا باعث بنتا غالباً اس لئے صریح الفاظ سے عدول کیا گیا۔

❖ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا[17]

"تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہے ،اور جن عورتوں سے تم خلوت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو وہ بھی تم پر حرام ہیں ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے خلوت نہ کی ہو تو ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح

کر لینے میں تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہاری حقیقی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے مگر جو ہو چکا سو ہو چکا بے شک اللہ تعالی بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں ربیبہ (ربیب اس بچہ کو کہتے ہیں جو پہلے شوہر کا ہو اور ماں کے ساتھ چلا آئے) کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی علت اس کی ماں کے ساتھ دخول کرنے سے ارشاد فرمایا ہے دخول کرنے سے جماع مراد ہے، کیونکہ جماع میں ہی دخول ہوتا ہے۔ اگر دخول سے اس کی گھر مراد لی جائے تو یہ معنی اس لفظ کی کنایہ سے بھی مانع نہیں ہے کیونکہ جماع کے لئے اس گھر اور مکان میں دخول لازمی ہے جہاں جماع کی جائے اور آیت میں الباء لتعدیہ ہے جو جماع کا معنی دیتی ہے

دلائل ثبوت الکنایۃ

تفسیر بیضاوی اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

وقوله دخلتم بهن أي دخلتم معهن الستر وهي كناية عن الجماع [18]

"آپ ان سے پردہ کے اندر داخل ہو چکے ہیں اور یہ جماع کرنے سے کنایہ ہے۔"

تفسیر الکشاف اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

فإن قلت: ما معنى دَخَلْتُمْ بِهِنَّ؟ قلت: هي كناية عن الجماع[19].

"اگر تو کہے کہ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ کا کیا معنی ہے تو میں کہتا ہوں یہ الفاظ جماع کرنے سے کنایہ ہیں۔"

إعراب القرآن وبیانہ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

الكناية في قوله: «دخلتم بهن» فهي كناية عن الجماع.[20]

"یہ کلام جماع کرنے سے کنایہ ہے۔"

اسرار

أ- جماع کرنے کا عمل تب تکمیل کو پہنچتا ہے جب اس میں میاں بیوی کا ملاپ دخول کے درجے کو پہنچے اس لئے ان کلمات سے کنایہ فرمایا گیا۔

ب- صریح کلمات آداب معاشرہ کے خلاف تھے اس لئے کنائی تعبیر سے ارشاد فرمایا گیا۔

❖ الرِّجالُ قَوّامُونَ عَلَى النِّساءِ بِما فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلى بَعْضٍ وَبِما أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوالِهِمْ فَالصّالِحاتُ قانِتاتٌ حافِظاتٌ لِلْغَيْبِ بِما حَفِظَ اللَّهُ وَاللاَّتِي تَخافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضاجِعِ

وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيراً[21]

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ فرمانبردار ہوتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں مال و آبرو کی خبرداری کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی اور بدخوئی کرنے لگی ہیں تو پہلے ان کو زبانی سمجھاؤ اور اگر نہ سمجھیں تو پھر ان کے ساتھ سونا ترک کردو، اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو پھر اگر تمہارا کہنا مان لیں۔ تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت اونچا ہے اور بڑا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی اصلاح کے لئے تین درجات ذکر کئے ہیں کہ ان تینوں میں کسی بھی طریقے سے ممکن ہو تو ان کی اصلاح کرو، ان اصلاحی درجات میں دوسرے درجے سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ "ھجر کا لغوی معنی ہے انسان کا کسی غیر سے مفارقت پیدا کرنا خواہ یہ مفارقت بدنی، لسانی، یا قلبی جو بھی ہو اب آیت کی صریحی معنی کو اس تناظر سے دیکھا جائے تو اسم ظرف مضجع سے بدنی ھجر مراد ہو گی، اور بدنی ھجر مستلزم ہے عدم قرب کو اور عدم قرب سے عدم جماع ہی مراد ہوتا ہے کیونکہ اگر اسکو صریحی معنی میں لیا جائے تو بستروں کا ذکر نامناسب معلوم ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد صرف وَاهْجُرُوهُنَّ ہوتا، اس لئے مفسرین کے نزدیہ ترک الجماع سے کنایہ ہے۔

المضاجع اسم ظرف جمع المضجع واحد بستر، خواب گاہیں اضجع واضطجع پہلو کے بل لیٹنا الضجع ساتھ لیٹنے والا۔

دلائل ثبوت الکنایہ

المفردات فی غریب القران اس کی شرح یوں کرتے ہیں:

الهَجْرُ والهِجْرَان: مفارقة الإنسان غيره، إمّا بالبدن، أو باللّسان، أو بالقلب. قال تعالى: وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضاجِعِ كناية عن عدم قربهنّ[22]

"هَجْر اور هِجْرَان انسان کا کسی غیر سے جدا ہونے کو کہتے ہیں خواہ بدن کے ذریعے ہو، یا زبان اور یا قلب کے ذریعے ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ اور یہ عدم قرب سے کنایہ ہے۔"

تفسیر روح المعانی اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضاجِعِ أي مواضع الاضطجاع، والمراد اتركوهن منفردات في مضاجعهن فلا تدخلونهن تحت اللحف ولا تباشروهن فيكون الكلام كناية عن ترك جماعهن،[23]

" سونے اور لیٹنے کی جگہ اور اس سے یہ مراد ہے کہ ان عورتوں کو بستروں میں اکیلے چھوڑ دو اور ان کے ساتھ بستروں میں داخل نہ ہو اور ان سے مباشرت نہ کرو اس معنی سے یہ کلام ترک جماع سے کنایہ ہوا۔"

التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعہ والمنہج اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

وهو كناية عن ترك الجماع[24]

"اور یہ کلام ترک جماع سے کنایہ ہے۔"

الجدول فی إعراب القرآن الکریم اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

الكناية: في قوله تعالى وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضاجِعِ والكلام كناية عن ترك جماعهن.[25]

"اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں کنایہ ہے اور یہ کلام ترک جماع سے کنایہ ہے۔"

اسرار

- ❖ میاں بیوی کا بندھن اتنا باریک اور نازک ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لباس سے تعبیر فرمایا ہے لہذا اس بندھن کو دیکھ کر صریح الفاظ سے کنایہ کیا گیا۔
- ❖ جماع جیسے صریح الفاظ سے اگر تادیب کا حکم فرماتا، تو یہ ملاطفت اور حیا کی وجہ سے مناسب نہ تھے۔
- ❖ ان کو بستروں میں اکیلے چھوڑ دو؛ یہ کلمات اتنے جامع اور سرزنش سے پُر ہیں کہ اس کو ایک حیا دار اور عقلمند عورت ہی تصور کر سکتی ہے۔
- ❖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوالَا تَقْرَبُوا الصَّلاَةَ وَأَنْتُمْ سُكارى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلا جُنُباً إِلاَّ عابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضى أَوْ عَلى سَفَرٍ أَوْ جاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغائِطِ أَوْ لامَسْتُمُ النِّساءَفَلَمْ تَجِدُوا ماءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيداً طَيِّباًفَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كانَ عَفُوًّا غَفُوراً[26]

"مومنوں جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک ان الفاظ کو جو منہ سے کہو سمجھنے نہ لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ

اور نہ جنابت کی حالت میں یہاں تک کہ غسل کر لو ہاں اگر بحالت سفر رستے چلے جا رہے ہو اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح کر کے تیمم کر لو، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور بخشنے والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بدون وضو یا تیمم (حدث کے دوران) کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے ان میں دو حالتوں حدث اصغر اور حدث اکبر کو اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْغائِطِ أَوْ لامَسْتُمُ النِّساءَ سے تعبیر فرمائے ہیں۔ اگر غائط کی صریحی معنی کو دیکھا جائے تو آیت کی تفسیر نہیں ہو جاتی کیونکہ والغائط في اللغة اسم المكان المطمئن من الأرض[27]، " لغت میں غائط اس مکان اور جگہ کو کہا جاتا ہے، جہاں پر لوگوں کو اطمینان حاصل ہو۔"

اہل عرب حدث اصغر کے لئے دور میدان اور وادی کو جاتے تھے تو اس اسم مکان کو حدث کی جگہ مستعمل ہونے لگا اور اس سے فعل تغَوَّط مشتق ہونے لگا۔ اس لئے عرب اس لفظ سے حاجت وغیرہ کی کنایہ کرنے لگے۔

الغائط: نشیبی وسیع میدان۔ مراد قضائے حاجت کا مقام یا قضائے حاجت۔ عرب قضائے حاجت کے لئے نشیبی میدان میں جایا کرتے تھے کہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں۔ اس لئے بطور کنایہ براز قضائے حاجت کا مقام ہے۔

دلائل ثبوت الکنایۃ

فقہ اللغۃ وسر العربیۃ اس کی شرح یوں کرتے ہیں:

هي من سنن العرب. وفي القرآن: أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ فكنى عن الحدث. والله كريم يكني[28]

" (نامناسب الفاظ سے) کنایہ کرنا عرب کی سنن میں سے ہیں اور اسی وجہ سے قرآن میں غائط لفظ کو حدث سے کنایہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ رب کریم ہے کنایہ فرماتا ہے۔"

الصاحبي في فقه اللغة العربية ومسائلها وسنن العرب في كلامها اس کی شرح یوں کرتے ہیں:

أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ :والغائط: مطمَئِن من الأرض. كل هذا تحسين اللفظ والله جلّ ثناؤه كريم يكْنِي[29]

"غائط کا معنی ہے زمین کا وہ حصہ جہاں انسان اطمینان حاصل کرے یہ تمام الفاظ کسی لفظ کی تحسین پیش کرتی ہے اور اللہ رب کریم نے کنایہ فرمایا ہے۔"

البلاغۃ العربیۃ اس کی شرح یوں کرتے ہیں:

أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّن الغآئط . فيه كناية عن قضاء الحاجة الناقضة للوضوء[30]

"اس آیت میں قضائے حاجت سے کنایہ کیا گیا ہے جو وضو کو ٹوٹنے کا سبب ہو۔"

تفسیر بحر العلوم اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

والغائط في اللغة اسم المكان المطمئن من الأرض، وإنما هو كناية عن قضاء الحاجة.[31]

"لغت میں غائط اسم المكان المطمئن کو کہتے ہیں اور یہاں یہ قضائے حاجت سے کنایہ ہے۔"

تفسیر القرآنی للقرآن اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

والغائط هو المكان المنخفض، وهو كناية عن قضاء الحاجة، حيث تقضى فى مكان لا يقع تحت أعين الناس.[32]

"غائط چھپی ہوئی جگہ کو کہتے ہیں اور یہ قضائے حاجت سے کنایہ ہے اور یہ وہ مکان ہوتا ہے جو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے۔"

تفسیر التحریر والتنویر اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

كِنَايَةٌ عَنْ قَضَاءِ الْحَاجَةِ الْبَشَرِيَّةِ،وَالْغَائِطُ: الْمُنْخَفِضُ مِنَ الْأَرْضِ، وَمَا غَابَ عَنِ الْبَصَرِ، يُقَالُ: غَاطَ فِي الْأَرْضِ- إِذَا غَابَ- يَغُوطُ، وَكَانَتِ الْعَرَبُ يَذْهَبُونَ عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ إِلَى مَكَانٍ مُنْخَفِضٍ مِنْ جِهَةِ الْحَيِّ بَعِيدٍ عَنْ بُيُوتِ سُكْنَاهُمْ، فَيُكَنُّونَ عَنْهُ: يَقُولُونَ ذَهَبَ إِلَى الْغَائِطِ أَوْ تَغَوَّطَ، فَكَانَتْ كِنَايَةً لَطِيفَةً [33]

"انسانی بول و براز سے کنایہ ہے اور جو چیز بھی نظروں سے غائب ہو، غاطَ فِي الْأَرْضِ جب غائب ہو جائے اور عرب حیا کی وجہ سے قضائے حاجت کے لئے اپنی مکانوں سے ایک چھپی ہوئی مکان کی طرف جاتے تھے اور اس وجہ سے وہ کنایہ کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ وہ غائط کو گئے پس اس وجہ سے ان الفاظ سے ایک لطیف کنایہ ہوا۔"

اسرار

حسن ادب کی تعلیم لطیف کا ایک نمونہ: یہاں پر قضاء حاجت کیلئے صریح لفظ کی جگہ کنایہ استعمال فرمایا گیا ہے، جس میں حسن ادب کی تعلیم لطیف ہے کہ ایسے موقع پر صریح لفظ کا استعمال

ذوق سلیم پر گراں گزرتا ہے۔ سو غائط کا لفظ اصل میں نشیبی زمین کے لئے بولا جاتا ہے اور دیہات کی سادہ زندگی میں لوگ چونکہ قضائے حاجت کے لئے نشیبی زمین اور جھاڑیوں وغیرہ ہی کی طرف جاتے ہیں اس لئے قضائے حاجت کو یہاں پر " غائط " کے کنائی لفظ سے تعبیر فرمایا گیا۔ اور خود قضائے حاجت کے لفظ میں بھی اسی حسن ادب کی تعلیم و تلقین پائی جاتی ہے—

أ- یہ کلمات چونکہ عرب کو مخاطب تھے اس لئے ان کی کلام کے موافق کلمات لائے گئے۔

ب- اس ایک کنائی کلمے نے سب احداث (پیشاب، قضائے حاجت، ریح) تمام ناقضات کا احاطہ کیا

ت- غائط کا ایک معنی غاب سے آتا ہے اور اس عمل کے لئے انسان دوسرے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں اس لئے اس لفظ نے عملی تصویر کشی کی۔

❖ أَوْ لامَسْتُمُ النِّساءَفَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيداً طَيِّباًفَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كانَ عَفُوًّا غَفُوراً[34]

آیت کریمہ کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے لئے پاک ہونے کی شرط بیان فرمائی ہے کہ اگر عورت کو مَس (چھوا) ہو تو آپ پر تیمم کرنا واجب ہے مَس کا لغوی معنی ہے المس: ملاقاة ظاهر الشيء ظاهر غيره،[35] اب اگر ہم اسکی صریحی معنی پہ غور کریں تو معنی صحیح نہیں بنتا کیونکہ اس آیت مبارکہ میں اس سے پہلے جو کلمات لائے گئے ہیں وہ اس کی تفسیر اور وضاحت کرتی ہے اور وہ کلمات جنبًا کی ہے اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ غائط سے حدث اصغر مراد ہے تو لمستم النساء سے بدرجہ اولیٰ حدث اکبر مراد ہوگی اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ان کلمات کو جماع کرنے سے کنایہ کیا جائے پس اللہ تعالیٰ یہاں ایک اہم حکم بیان فرماتا ہے اور اس کو کنائی لفظ میں بیان فرماتا ہے کہ اگر آپ نے اپنی عورتوں سے جماع کیا ہو تو تب آپ تیمم کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتے اس لئے یہ کلمات مفسرین کے نزد جماع سے کنایہ ہے۔

دلائل ثبوت الکنایة

لسان العرب اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وَيُكَنَّى بِالْمِسَاسِ عَنِ الجِمَاعِ[36]

ترجمہ: لفظ مساس سے جماع کا کنایہ کیا جاتا ہے۔

البلاغۃ العربیۃ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں:

لَأَمَسْتُمُ النِّسَاءَ: فيه كناية عن الجماع وهو عمل يجب ستره وإن كان مباحاً، فَحَسُنَ في الكلام ستره بالكناية[37]

"ان کلمات میں جماع سے کنایہ ہے اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس کا چھپانا واجب ہے خواہ یہ عمل مباح کیوں نہ ہو پس کلام میں حسن لانے کے لئے اس کو کنائی الفاظ میں چھپایا۔"

معانی القرآن و اعرابہ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

كناية عن الجماع، ودليل ذلك قوله: (وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ).[38]

فتح القدیر اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُجَامِعُوهُنَّ، فَكَنَّى عَنْ ذَلِكَ بِلَفْظِ الْمَسِّ[39]

"مذکورہ آیت کریمہ میں مس جماع کی معنی پر ہے پس اس سے لفظ مس کے ذریعے کنایہ کیا گیا۔"

اسرار

قضائے حاجت کے لئے جاء من الغائط کے الفاظ اور صحبت کے لئے لمستم النساء کے کلمات کتنے لطیف ہیں۔ نازک سے نازک طبعی پر بھی گراں نہیں گزرتے۔ یہی حسن تعبیر تو اس کلام خداوندی کا اعجاز ہے۔

أ- "لامستم النساء" صحبت اور مباشرت سے کنایہ ہے اور اس طرح یہاں پر حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کے بارے میں بتادیا گیا کہ تیمم ان دونوں کیلئے کفایت کرتا ہے۔ اگر اس کا ذکر نہ ہوتا تو اس کا خدشہ تھا کہ یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ تیمم کی کفایت صرف حدث اصغر کیلئے ہے۔ جبکہ حقیقت میں ایسے نہیں ہے۔ بلکہ تیمم کی اجازت ضرورت کے ہر موقع پر ہے۔

ب- جماع ایک ایسا عمل ہے کہ اس کا چھپانا واجب ہے خواہ یہ عمل مباح کیوں نہ ہو پس کلام میں حسن لانے کے لئے اس کو کنائی الفاظ میں چھپایا۔

ت- ابو داود ؒ نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی ﷺ کی محفل میں جماع جیسے کلمات سے کنایہ

کرتے تھے اس لئے ان کی حیا کی تعلم کا ثبوت قرآن مجید کی ان جیسی آیت کی عملی ثبوت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1 عبدالرحمن حسن، البلاغة العربية أسسها وعلومها وفنونها: ۵۶۷ ، مکتبہ، دار الکتب العلمیة بیروت، طبع ۲۰۰۴ء

2 محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب ۱۵: ۲۳۳، مکتبہ بیروت (س۔ن)

3 نفس مصدر

4 أبی الفتح ضیاء الدین نصر اللہ، المثل السائر فی أدب الکاتب والشاعر ۳: ۱۵۲ المکتبة العصریة، بیروت، طبع ۱۹۹۵ء

5 عبد العظیم بن عبد الواحد، تحریر التحبیر فی صناعة الشعر والنثر وبیان إعجاز القرآن: ۱۵، مطبع وسن اشاعت ندارد

6 سورة النساء ۴: ۱

7 السیوطی عبد الرحمن بن أبي بکر جلال الدین، معترک الأقران فی إعجاز القرآن ۱: ۲۶۶، مکتبہ دار الکتب العلمیة بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء

8 البلاغة العربیہ ۲: ۱۴۴

9 الزرکشی بدر الدین محمد بن عبد اللہ ، البرہان فی علوم القران ۲: ۳۰۱، مکتبہ دار المعرفة، بیروت، طبع ۱۹۵۷ء

10 سورة النساء ۴: ۲۱

11 أبو عبد اللہ محمد، مفاتیح الغیب ۶: ۴۷۹، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، طبع ۱۴۲۰ھ

12 اللغات فی القرآن ۱: ۲۴

13 خزانة الأدب وغاية الأرب ۲: ۲۶۴

14 علوم البلاغة ۱: ۳۰۹

15 روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۲: ۴۵۲

16 أحمد بن محمد بن إبراہیم، الکشف والبیان عن تفسیر القران ۳: ۲۷۷، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۲ء

17 سورة النساء ۴ :۲۳

18 ناصر الدین، تفسیر البیضاوی ۲: ۶۸، دار إحیاء التراث العربي، طبع ۱۴۱۸ھ

19 الزمخشري جار اللہ، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل ۱: ۴۹۶، مکتبہ، دار الکتاب العربی، طبع ۱۴۰۸ھ

20 اعراب القران وبیانہ، ۲: ۱۹۲

21 سورة النساء ۴ :۳۴

22 المفردات فی غریب القران: ۸۳۳

23 روح المعانی ۳: ۲۵

24 التفسیر المنیر ۵: ۵۶

25 الجدول فی إعراب القرآن الکریم، ۵: ۳۰

26 سورہ النساء ۴: ۴۳

27 أبو اللیث نصر بن محمد، بحر العلوم ۱: ۳۰۵، دار لفکر بیروت (س-ن)

28 فقہ اللغۃ وسر العربیۃ ۱: ۲۷۶

29 الصاحبي في فقه اللغة العربية ومسائلها وسنن العرب في كلامها ۱: ۲۰۱

30 البلاغۃ العربیہ ۱: ۱۰۷

31 البحر العلوم، ج ۱: ۳۰۵

32 تفسیر قرآنی للقرآنی، ج ۳: ۷۹۹

33 محمد الطاہر بن محمد، التحریر والتنویر ۵: ۶۶، مکتبہ الدار التونسیۃ للنشر، طبع ۱۹۸۴ھ

34 سورۃ النساء ۴: ۴۳

35 المفردات فی غریب القرآن ۱: ۳۰۵

36 لسان العرب ۶: ۲۱۹

37 البلاغۃ العربیۃ ۱: ۱۰۷

38 أبو إسحاق الزجاج، معانی القرآن واعرابہ ۵: ۱۳۵ مکتبہ عالم الکتب، بیروت، طبع ۱۹۸۸ء

39 الشوکانی، محمد بن علي بن محمد بن عبداللہ، فتح القدیر ۴: ۳۳۴، مکتبہ دار ابن کثیر، بیروت (س-ن)